Date of Publication: 02-07-2013 PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 03-04 July 2013 | POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14

R.N.I No. 2186/57 | Licensed to Post Without Prepayment U (C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

8-14 July 2013 ۸تا۱۴؍جولائی ۲۰۱۳ء

Issue: 26, Vol.: 72 شمارہ نمبر: ۲۶، جلد نمبر: ۷۲

ہندستانی ادبیات میں ناول کی شعریات 'جدید کاری' (Modernisation) کے ہمہ جہت عمل سے عبارت ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کے سیاسی، معاشرتی، لسانی اور ثقافتی تغیرات نے جہاں عوامی زندگی کے سامنے کئی متبادل راہیں ہموار کیے تھے وہیں شعر و ادب کو بھی نئے سانچوں میں ڈھلنے پر مجبور کردیا تھا۔ لیکن ابتدا سے آج تک ناول کی شعریات پر موضوع، زبان، بیانیہ اور آئیڈیالوجی کے حوالے سے اتنے رنگ چڑھے اور اترے ہیں کہ ناول کی تنقید، ناول کے معلوم اور ظاہری در و دیوار سے سرتو ٹکراتی رہی ہے لیکن ناول کے متن، قرأت کے طریق کار اور سماجی و ثقافتی ڈسکورس کی زائیدہ آئیڈیالوجی کی تہوں اور طرفوں کو کھول کر ناول کے اندر اترنے اور ناول کے حقیقی فنی و جمالیاتی جوہر کی بازیافت میں زیادہ کامیاب نہیں رہی ہے۔ زیادہ تر ناقدین، محض ناول کے دروازے پر دستک دے کر لوٹ گئے ہیں اور جو ذرا سخت جان تھے وہ باہر سے ہی ادھر ادھر سے تاک جھانک کر آگئے اور اپنے غلط یا صحیح تاثرات کے اظہار کو ہی ناول کی تنقید کے طور پر پیش کردیا۔ آج کے ناولوں: خواب رو (جوگیندر پال)، فرات (حسین الحق)، دو گز زمین (عبدالصمد)، فرار (ظفر پیامی)، لے سانس بھی آہستہ (مشرف عالم ذوقی)، فائر ایریا (الیاس احمد گدی)، برف آشنا پرندے (ترنم ریاض)، کسی دن (اقبال مجید) اور پلیتہ (پیغام آفاقی) وغیرہ میں سیاسی و سماجی، معاشی و تہذیبی انتشار اور سکون بخش اقداری نظام کی جستجو جیسے حقائق کے زیر اثر نفسیاتی طور پر ناول میں بیانیہ کی جو اجتہادی اور تکثیری جہت نمو پذیر ہوئی ہے اس کی جڑیں کہیں نہ کہیں سے اس سماجی ڈسکورس اور آئیڈیالوجی تک پہنچتی ہیں جس کے نقوش ہمیں اردو، ہندی اور بنگلہ ادب میں پریم چند، شرت چندر اور رابندر ناتھ ٹیگور کے ناولوں میں ملتے ہیں۔ یوں بھی ناول کی تخلیق عصری سماجی ڈسکورس کی زائیدہ کسی نہ کسی آئیڈیالوجی کے حوالے سے ہی ہوتی رہی ہے، لیکن ناول کی تنقید اس بدلتی ہوئی آئیڈیالوجی اور ڈسکورس کے متن کے بغیر ہی کی گئی اور یہی ناول کی تنقید کی ناکامی کا المیہ ہے۔ حالاں کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آئیڈیالوجی ایک سیال اور تغیر پذیر شے ہے پھر بھی چوں کہ ادب میں سامنے آنے والے حقائق اور تصورات اپنے عہد کے ان حقائق اور تصورات کی فنی و جمالیاتی تشکیل ہوتے ہیں جو زبان، معاشرہ، ثقافت اور آئیڈیالوجی کے زائیدہ ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج کے ناولوں 'پلیتہ'، 'دویہ بانی'، 'فرات' اور 'موت کا دن' وغیرہ کی تہوں تک اترنے کے لیے پریم چند، شرت چندر

ٹیگور، پریم چند اور ناول کی شعریات

پہلی قسط

قدوس جاوید

اور ٹیگور تینوں کے ناولوں کے سماجی ڈسکورس اور آئیڈیالوجی پر بھی از سر نو غور کرنا ہوگا۔ پریم چند، شرت چندر اور ٹیگور تینوں نے اپنے عہد کی زندگی، زبان، زمانہ اور ثقافت کے بدلتے ہوئے منظرناموں کی تلخ کامیوں اور کرب انگیزیوں کو بالواسطہ طور پر جھیل کر اپنے غور و فکر، مطالعہ و محاسبہ کی رہنمائی میں اپنے ادب کی تخلیق کی جو عصری شعور و آگہی سے کچھ اس طرح ہم رشتہ و پیوستہ ہے کہ ان کی تخلیقات کو سامنے رکھ کر انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے اوائل کی سماجی و سیاسی اور معاشی و تہذیبی کروٹوں کی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے، خاص طور پر دیہی اور قصباتی زندگی کے متنوع مسائل، نشیب و فراز اور ہندستانی معاشرے کی اعلا قدروں کو اپنے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق جس طرح ان تینوں فن کاروں نے اپنی تخلیقات میں پیش کیا ہے ان سے قبل اور بعد اس صورت میں کہیں اور کم ہی نظر آتا ہے۔ دیکھا جائے تو ان تینوں کے یہاں وہ حقیقی ہندستان نظر آتا ہے جو ان سے قبل کے شاعروں اور ادیبوں کی نظروں سے دور نہ رہتے ہوئے بھی دور تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان تینوں نے ہندستان، ہندستانی عوام، ان کی زندگی اور زندگی کے مسائل کی جو تصویریں پیش کی ہیں ان میں کہیں حقیقت کا رنگ گہرا ہے تو کہیں رومانیت کا، کہیں عینیت پسندی کے رنگ و روغن زیادہ نمایاں ہیں تو کہیں خواب اور نظریے کی لکیریں زیادہ واضح، لیکن اتنا ضرور ہے کہ جو تصویریں پیش کی گئی ہیں وہ ہندستان کی ہی تصویریں ہیں۔ انھوں نے ملی نقطۂ نظر سے ہندستانی ادب کو عالمی ادب کی ہمسری کرنے کے قابل بنایا، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ جہاں ایک طرف ہندستانی قوم کے مزاج، مسائل اور مصائب پر ان کی گہری نظر تھی وہیں عالمی ادب کی فنی اقدار اور مزاج اور معیار بھی سامنے تھے۔ تینوں فن کار خصوصاً ٹیگور اور پریم چند مغربی ادبیات کی واقفیت رکھتے تھے۔ ان دونوں نے اپنی اپنی زبان کے افسانوی ادب کو اپنی شخصیت کا جزو تو بنایا ہی تھا اپنے عہد کے انگریزی اور فرانسیسی ناولوں اور افسانوں کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ رابندر ناتھ ٹیگور کے خاندان میں بنگلہ کے ساتھ ساتھ انگریزی اور فرانسیسی ادب سے گہری واقفیت کا سراغ ملتا ہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور خود انگریزی اور فرانسیسی میں اچھی دسترس رکھتے تھے، ان کے خاندان کے ہی ایک فرد جیوتیندر ناتھ ٹھاکر فرانسیسی زبان کے ماہر تھے اور انھوں نے فرانسیسی سے بنگلہ میں متعدد کہانیوں کے ترجمے بھی کیے تھے جو بنگلہ رسالہ 'بھارتی' میں بہ طور خاص شائع ہوئے تھے۔ رابندر ناتھ ٹیگور کی بڑی بہن سورن کماری دیوی بھی شعر و ادب کا اچھا ذوق رکھتی تھیں۔ انھوں نے ناول، افسانہ اور شاعری میں طبع آزمائی کی۔ ان کی کہانی 'ناتی' رسالہ 'بھارتی' میں ۱۸۷۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ ٹھاکر خاندان کے ہی اوینندر ناتھ ٹھاکر اور دیویندر ٹھاکر بھی افسانہ نگار تھے۔ اوینندر ناتھ ٹھاکر بنگلہ میں بچوں کے ادیب کے طور پر خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ان کی کہانیاں 'شکنتلا'، 'کھیر یر تپلی' اور 'راج کاہنی' وغیرہ آج بھی مقبول ہیں۔ ٹھاکر خاندان سے باہر نگیندر ناتھ گپت اس عہد کے مشہور کہانی کار ہوئے ہیں جو ٹیگور اور شرت چندر کے ہم عصر تھے۔ اس عہد کے تمام افسانہ نگاروں اور ناول نگاروں کی تخلیقات میں رومانیت، مثالیت، جذباتیت اور سماجی بطور خاص نظر آتی ہے۔ ٹیگور اور شرت چندر بھی بنگلہ ادب کے اس مزاج سے ہم آہنگ ہیں۔ ان کے برعکس پریم چند کے اپنے خاندان میں کہیں کوئی تخلیقی چنگاری دور دور تک نظر نہیں آتی۔ ہاں معاشی مسائل کے اندھیرے اور زندگی کے تلخ اور سخت حقائق شروع سے ہی انھیں ڈراتے رہے۔ تلخیوں سے گھبرا کر داستانوں، حکایتوں اور ناولوں میں پناہ ڈھونڈی اور اسی دنیا میں اپنے اندر کے فن کار کی تلاش کی۔ لیکن

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

ماضی کے جھروکے سے

دوسری قسط

پرانے ہندستان کا ایک شاعر: امارو

پراکرت کی عشقیہ شاعری میں جو رتبہ ہال کا ہے وہی رتبہ سنسکرت کی عشقیہ شاعری میں امارو کا ہے۔ امارو کی تمام نظمیں (امارو شتک) پانچ چھوٹے حصوں میں منقسم ہیں۔ پہلا حصہ مرد کے جذبات پر مشتمل ہے، دوسرا عورت کے احساسات پر، تیسرے حصے میں مرد اور عورت کی بات چیت اور نوک جھونک ہے، چوتھے میں عورت کے متعلق جذبات ہیں اور پانچویں حصے کا عنوان 'مشاہدات' ہے۔ یہ پانچواں حصہ ایک طرح سے شاعر کے احساسات و تخیلات کا آئینہ کہا جاسکتا ہے۔ قدیم نقاد آنند وردھن کی رائے میں امارو کی نظمیں شاعری کے امرت سے لبریز ہیں۔ امارو کا کلام فنی لحاظ سے بھی بہت بلند اور قابل توجہ ہے، چناں چہ سنسکرت کے تمام علما اور قواعد داں نحوی اور لسانی وضاحتوں کے لیے امارو ہی کی مثالیں دیتے ہیں۔ سنسکرت کے تخیلی اور تخلیقی ادب میں امارو ایک نئی نشوونما کا پہلا علم بردار ہے۔ تصور کی نفاست، اظہار و تاثر کی گہرائی اور احساسات و خیالات کی نزاکت سنسکرت شاعری کی خصوصیات عموی ہیں، لیکن انھیں جاری اور رائج کرنے میں امارو ہی کے کلام نے آنے والے شعرا کی اعانت کی ہے۔ امارو کی نظموں میں محبت کی سیدھی سادی سلجھی ہوئی باتیں بھی ہیں اور الجھے ہوئے پیچیدہ معاملات بھی۔ بیسویں صدی کے ماہرین نفسیات نے محبت کے واحد جذبے میں جس کثرت احساس کی دلیلیں مہیا کی ہیں، امارو آج سے صدیوں پیشتر ان سب کو اپنی نظموں میں بیان کر گیا ہے۔ محبت کی بوقلموں کیفیات، عشق کے حلاوت خیالات، انوکھی الجھنیں، غیر متوقع تاثرات، انجانی تحریکات طبعی، آرزو، اضطراب، ناامیدی، شکستہ دلی، میل ملاپ، جدائی، دور دور کی چھیڑ چھاڑ، شرم وحیا، اختلاط، بے باکی، وہ جذبہ جو کلیوں سا اچھوتا ہو اور وہ احساس جو پورب سے نکلنے والے سورج سے بھی پرانے ہو چکے ہوں — یہ سب باتیں امارو کی سو نظموں میں موجود ہیں۔ امارو کی نظموں میں محبت ایک تنہا اور شدید جذبہ نہیں ہے، جیسے کہ محبت کی عام شاعری میں ہوتا ہے، بلکہ ان میں محبت کے دکھ سکھ کو بڑھا کر انھیں اور دل کش بنانے والی تمام باتیں ہیں۔

ایک تنہا خیال یا واقعے کو ایک محدود جگہ میں قید کرنے سے شعر میں ایک حسن بیان پیدا ہو جاتا ہے — اردو کی غزل اس کی روشن مثال ہے اور جاپان کی ہائیکو شاعری بھی — اگرچہ امارو کی ان مختصر نظموں میں عموماً ہلکی پھلکی، شگفتہ محبت کا بیان ہے، اس عشق کا بیان جسے لذت وصال حاصل ہے یا بہت جلد حاصل ہو جانے کی توقع ہے۔

بعض دفعہ یاس اور ناامیدی پر نظم کی بنیاد رکھتے ہوئے ساز شعر سے گہرے اور گمبھیر سُر بھی نکل آتے ہیں، لیکن ہلکی پھلکی، شگفتہ اور مطمئن محبت ہو یا گہری، شدید اور ناکام محبت، امارو کی فنی بلندی ہر نظم میں ایک ہیرے کی طرح چمکتی اور بعض اوقات چند حیاتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

اور اب امارو کی پریم کتھا شروع ہوتی ہے۔ جیسے کہ پہلے لکھا جاچکا ہے، اس کے پانچ حصے ہیں، جن کے عنوان ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) مرد (۲) عورت (۳) مرد و عورت
(۴) عورت سے عورت اور
(۵) مشاہدات

یہ ترجمہ ہم نثر میں دے رہے ہیں، کہ اصل کا حسن اسی طرح برقرار رہ سکتا تھا:

مرد

(۱)

اگر مجھے والمیکی کی قابلیت حاصل ہو جاتی تو میں اپنی پریتم کے متعلق ایک نظم لکھتا۔ پہلے دس شعر اس کے ہاتھوں کی دس انگلیوں کے بارے میں ہوتے، کیوں کہ انھیں انگلیوں نے ایک ایسا خضاب گوندھا جس میں میں نے اپنے پہلے تمام احساسات محبت لپیٹ دیے ہیں۔ اور دوسرے دس شعر ان دس راتوں سے منسوب کرتا جو ہم نے ماہ بہار میں گزاری ہیں۔

(۲)

اے مہ پاس میں نے تجھے صبح پر بھی دیکھا ہے:
ایک بچہ بھی تجھے پھلانگ سکتا ہے،
پھولوں کی ٹہنی سے بھی تیرا راستہ بدلا جاسکتا ہے
لیکن اب تو ایک پھیلا ہوا طوفان ہے
اور ابھی سے ابھی کشتی کو سمندر میں گھیر سکتا ہے
افسوس، دریا تی اور یاس تی کی محبت!

(۳)

وہ مجھے پوری طرح پر نام کرتی ہے
اور پھر بہار کے نیچے اپنے پاؤں کھینچ لیتی ہے
وہ اپنی پنگیا پر سجے ہوئے پھولوں کو غور سے دیکھتی ہے
اگر میں اس کی ہرنی کو پکاروں تو وہ اپنی مینا کے پروں کو سہلانے لگتی ہے
اگر میں اس سے کچھ کہوں تو وہ اپنی سکھیوں سے بات کرنے لگتی ہے
اس کی ان شرمیلی اداؤں میں مجھے بے شمار مسرتیں حاصل ہوتی ہیں

(۴)

اگر میں ندی سے اپنا دکھ کہوں تو ندی میرے لیے ٹھہر جائے
اگر میں کھجور سے کچھ کہوں تو کھجور کا پیڑ میرے لیے جھک جائے
لیکن تم کانی ہوئی چلی جاتی ہو
اور میری طرف دیکھتی بھی نہیں
اگر ندی میرے لیے نہ رکی تو تم سے کم میں اس میں اپنی آنکھیں ہی دھو کر ٹھنڈی کرلوں گا
میں اپنا دکھ کھجور کے پیڑ سے کہوں گا
اگر وہ میرے لیے نہ جھکا تو تم سے کم اس کا سایہ ہی مجھ پر رہے گا
آج بھر میں نے شرم اور جھجک کو بھلا کر تم سے اپنا حال کہا
لیکن تم اپنے ہونٹوں کا امرت، اپنے سائے کی چھاؤں مجھے نہیں دیتیں

(۵)

تمھارے بال کندھوں پر بکھرے ہوئے ہیں
اور وشم آروت کا جنگل، مصرا کیشی کے رنگین سمندر کو اپنی گود کے گھیرے میں لیے ہوئے ہے

(۶)

جب سے تم چلی گئی ہو کسی نے مجھ سے تمھاری بات نہیں کی
لیکن ہوا جب گزر رہی تھی تو میں نے تمھارا نام کہا
اور ایک شخص مر رہا تھا تو اس کے سامنے بھی میں نے تمھارا نام لیا۔
میری پیاری! اگر تم زندہ ہو تو کسی دن ہوا کا گزر تمھارے پاس سے ہوگا
اور اگر تم مر چکی ہو تو اس شخص کی روح تمھیں بتا دے گی کہ مجھے تم اب بھی یاد ہو

(۷)

کیا بری! تیری محبت تو بجروں والی جھیل میں کسی شاخ کی پرچھائیں سے بھی زیادہ ناپائیدار ہے
جب بجرے جا چکیں تو جھیل آئینے کی طرح ہموار ہو جاتی ہے
لیکن تیرے دل میں مجھے معاف کر دینے پر بھی میرے متعلق بدگمانیاں ہیں

(۸)

میرے باغ کے پیڑوں پر بیٹھے ہوئے پرندو!
کیا تم اپنے موسیقانہ جال میں میری آرزوؤں کو گرفتار کر سکتے ہو؟
میری آرزوئیں میری پریتم کی طرف کھنچی چلی جارہی ہیں
جسے میں نے تین دن سے نہیں دیکھا ہے
میری آرزوئیں جلدی میں ہیں کہ اس کے معطر سینے کو جا چھوئیں اور اس کی بھیگی آواز میں گھل مل جائیں
اچھے پرندو! انھیں نہ روکو!

(۹)

اس نے پھولوں کو اپنی ڈاب میں رکھ لیا
اور ان کی پتیاں سمٹ کر بند ہو گئیں
وہ بولی: لو دیکھو، یہ کیا ہوا!
اور میں نے جواب دیا:
تم نے اپنی کالی آنکھوں کی سیاہی سے انھیں دیکھا اور وہ سمجھے کہ رات ہو گئی

(۱۰)

تمھیں مجھ پر رحم کیوں نہیں آتا؟
دیکھو، ستارے سمندر سے نفرت نہیں کرتے
وہ اس میں اپنے عکس کو سراہتے ہیں

(۱۱)

سامنے وہ سنہری بادل چاند کے قدموں

میراجی

میں آکر ٹھہر گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا
اے لڑکی جو کسی دن ان شعروں کو پڑھے، ذرا سوچنا تو سہی کہ انھیں لکھتے ہوئے میں نے آہ کیوں بھری؟

(۱۲)

اگر گوندہ بن کے پیڑوں پر بہت سے پنچھی چہچہاتے ہیں
اور اگر گوندہ بن کے پھول کبھی نہیں مرجھاتے
اور اگر گوندہ بن کے آکاس پر بھی گھٹائیں نہیں چھاتیں
تو پیاری!
یقیناً کبھی نہ کبھی تمھارا وہاں سے گزر ہوا ہوگا!

(۱۳)

چپ رہو!
تمھاری پیار کی باتیں میری خوشی کو نہیں بڑھاتیں
بولنا بند کر دو!
سورج کی اس کرن کے اجالے میں بیٹھی رہو

(۱۴)

وہ مر چکی ہے لیکن پھول اب بھی مرجھاتے ہیں
اے موت!
اس لڑکی کو حاصل کرنے کے بعد تجھے مارنے کی فرصت کیسے ملتی ہے؟

(۱۵)

اے صبح! جنگل نے تجھے قیدی بنا رکھا تھا
اور پیڑوں کے تنے تیرے بندی خانے کی سلاخیں تھیں
ندی کا گیت تیرے لیے خوشیوں سے بھرپور تھا
اور جنگل کی گھاس تیرے لیے نرم تھی
لیکن تو نے روشنی سے اپنا پنجرہ توڑ ڈالا
اور اے صبح! تو چلی گئی
مجھے مادھوی کا دھیان آتا ہے جو مجھ سے ایک رات صبح تک پیار کرتی رہی

(۱۶)

طوفان کے باوجود وہ آہی گئی

کاش تم نے پیڑوں کے پھولوں سے اس
کے بالوں پر پڑتی ہوئی پھوار دیکھی
ہوتی!
کاش اس کی سوتیوں کی مالا ٹوٹ کر اس
کی چھاتیوں پر چھٹکنے لگتی!

(۱۷)

میں کوئی نادان نہیں
میرے سامنے جھوٹ کہنا بے کار ہے
مجھے تمھارے سینے پر ہرن کے بوسوں
کے نشان دکھائی دے رہے ہیں
لیکن میں بہت زور سے اسے اپنے سینے
سے بھینچتا ہوں
تاکہ وہ ہلالی نشان مٹ جائیں
اور وہ انھیں بھول جائے

(۱۸)

جب سے میں نے اس کے ہونٹوں کو
پہلی بار چوما ہے، میری پیاس دگنے زور
سے بھڑک اٹھی ہے
لیکن اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں
اُن بوسوں میں ایک سلونا پن تھا

(۱۹)

اس کا لباس بدن سے چپٹ گیا اور لباس
کے ریشوں سے آر پار دکھائی دینے لگا
اے برکھا! تیرا شکریہ!
ساہوکی! تم تو یوں تھیں گویا عریاں ہو
لیکن جب دھنک پھوٹی تو تمھاری تھی،
کانپتی ہوئی چھاتیاں کس نے گرم کیں؟

(۲۰)

محبت کی خوشبو! محبت کی مسکراہٹ!
اے سورج کے جلال! اور اے تاروں
بھری رات کی شوکت!
موت کے مقابلے میں تم مجھے ہیچ نظر
آتے ہو
لنکا کی لڑکیو! سارتھ کے تاڑ کے درختو!
مارکی ندیو! کمل میں شاو دانے کے
درختوں میں ہوا کے گیتو!
میں تمھیں الوداع کہتا ہوں

عورت

(۱)

میں اپنی بھوؤں کے سنگار میں ہی بہت
سا وقت صرف کر دیتی ہوں۔ میں جانتی
ہوں کہ چتون کو ترچھی چتون کیوں کر
بنایا جاتا ہے۔ تبسم میں زیادہ سے زیادہ
دلکشی پیدا کرنی مجھے خوب آتی ہے۔
جب میری سکھیاں میری ہنسی اڑاتی ہیں تو
میں بالکل چپ سادھ لیتی ہوں اور جب
کبھی مجھے دل میں درد محسوس ہوتا ہے تو
میں اپنے کمر بند کو کس کے باندھ لیتی
ہوں۔ لیکن ان ساری باتوں میں کامیابی
حاصل ہونا تو ایشور کے ہاتھوں میں ہے!

(۲)

اس جنگل کے کنارے پر پھاندتے
ہوئے اجنبی! تو کہاں دوڑا جا رہا ہے؟
کیا محبت نے یہ قوت پرواز تجھے دے
رکھی ہے اور تو اپنی محبوبہ کی رہنے کی جگہ کی
طرف رواں ہے؟ جس طرح مضراب
ساز کے تاروں پر نہیں ٹھہرتا، تیرے قدم
زمین پر نہیں ٹھہرتے۔ کیا تجھ پر روحانیت
نے غلبہ پا لیا ہے اور تو اپنے کو اپنے جسم
سے علاحدہ کر کے قابو میں کرنے کی
کوشش میں ہے؟

(۳)

میں ضرور جاؤں گی
میں شفق پھوٹنے تک باہر رہنے کے لیے
کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دوں گی
میں چاہتی ہوں کہ خوشیوں کو اپنے میں
جذب کر لوں
اس لیے میں دور کے رستے سے فوراً اسے
کے سامنے جا پہنچوں گی
اور وہاں میں اپنی سکھیوں سے کہوں گی کہ
میں تو یہ دیکھنے آئی ہوں کہ طوفان سے
میرے باپ کے کھیتوں کو کوئی نقصان تو
نہیں پہنچا
محبت ہر بات کو جیت لے گی
میں ضرور جاؤں گی
اے وحشی دل!

(۴)

میں اب اپنے جسم کو پانی کے بوسوں کے
حوالے کرتی ہوں
اور پھر لمحوں کے بوسوں کو سونپ دوں گی
اے لمحوں کے بوسو! کیا تم بھی شفاف
پانی کی طرح میری روح پر ایک خوشبو کا
اثر چھوڑ جاؤ گے؟

(۵)

اے دن! تو کبھی تو کیسا پیارا ہو جاتا
ہے۔ اے رات! تو کیسی اُداس ہو جاتی
ہے
اے رات! کبھی تو کیسی میٹھی بن جاتی ہے
اے دن! تو کیسا دردوں سے بھر جاتا ہے
اگر اسے کبھی آنا ہی نہیں تو
تم دونوں معدوم ہی کیوں نہیں ہو جاتے؟

(۶)

"وہ تو سو گئے، اب تم بھی سو جاؤ"
یوں میری سکھیوں نے مجھ سے کہا اور
مجھے چھوڑ کر چل دیں
اور پھر محبت کا ایک مستانہ غلبہ مجھ پر آ گیا
اور میں نے ہونٹوں سے اپنے جوان
دولہا کے گالوں کو سہلایا
مجھے محسوس ہوا کہ وہ لرز اٹھا ہے
میں جان گئی کہ سونے کا بہانہ ہی تھا، اس
وقت مجھے شرم آ گئی
لیکن جلد ہی میں نے مسرت کی آہیں
بھریں

(۷)

میرا باپ کسی کام کے لیے سفر پر ہے
میری بہن بیمار ہے اور میری ماں صبح سے
اسے دیکھنے گئی ہے
رات چھا رہی ہے اور میں بالی ہوں
اور اکیلے ڈرتی ہوں
اے پیارے اجنبی! آؤ، یہاں آ جاؤ!

(۸)

جس طرح اس پرندے کے بوجھ سے
ٹہنی خم کھاتی ہے
اسی طرح میں تمھاری چاہت کے بوجھ
سے لچکتی ہوں
پرندہ اڑ جائے تو ٹہنی پھر ویسی ہی ہو جاتی
ہے
لیکن تمھارے چلے جانے پر میں پھر
ویسی نہیں بن سکتی
لیکن پھر کیا؟
پنچھی گاتا چلا
میں بھول گئی تھی کہ تو جلد ہی گانا چھوڑ
دے گا
میں بھول گئی تھی کہ ابھی تیرا گیت مجھے
یاد نہیں ہوا ہے

(۹)

اس نے کئی بار سرگوشی میں کہا:
"آؤ میں تمھیں اپنی بغیا دکھاؤں"
میں اس کے پیچھے پیچھے گھر میں گئی
لیکن گھر کی عورتیں ہمیں دیکھ رہی تھیں
وہ بولی: "بغیا باغ میں ہو گی"
بغیا باغ میں بھی نہ تھی کیوں کہ وہاں چنبیلی
کے پھولوں کی خوشبو بہت ہی زیادہ تھی
ندی کے کنارے بھی بغیا نہ تھی کیوں کہ وہاں
ایک چھوٹا سا لڑکا لکڑیاں کاٹ رہا تھا
آخر ہمیں ایک ویران گنبد میں ایک رنگین
چبوترے پر بغیا ملی!

(۱۰)

اے رات! تو کئی بار میرے پاس دبے
پاؤں آئی ہے اور تو نے میرے روتے
ہوئے چہرے کو چھپا لیا ہے
آج کی شام میرے پیالے میں امرت
دمک رہا ہے اور میرے پریتم میرے
سینے پر سر رکھے سو رہے ہیں
اے رات! آج کی رات جب تک تیرا
جی چاہے میرے ہی پاس رہ!

(۱۱)

اگر تمھیں میرے پیار یاد ہیں تو جب تم
اپنی پیاری کو زور سے کھینچو تو ایک بار چپکے
سے میرا نام بھی لے لینا

(۱۲)

ہم تین ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم چار
ہیں، کیوں کہ محبت بھی تو ہمارے پاس ہی
رقص کناں موجود ہے۔ رات چھا چکی
ہے لیکن ہمیں تو نارانی کی چھاتیوں کا
اجالا حاصل ہے۔ پھولوں نے اپنی
پتیاں سمیٹ لی ہیں لیکن پریوا جب
ہمارے قریب ہوتی ہے تو اس کے سانس
کی خوشبو ہمیں تازہ دم بنا دیتی ہے۔
آہاہا! آؤ ہم اپنا پنہاں ترین رقص
کریں۔ آؤ کہ ہمارے پاؤں اس گھاس
کو ایک شادمانی سے مسل دیں۔ نارانی!
بالوں کی لٹ نے تیرے گلے کو چھپا رکھا
ہے۔ اسے ہٹا دے۔ پریوا! ذرا اور پاس
آ جاؤ۔ اے محبت! ہمارے جسموں کو
دیکھتی جا۔ ہمیں دیکھتی جا، ہمیں، نارانی
کو، پریوا کو اور دوسکی کو! ہم سب پیار
کرتے ہیں اور جنگل میں چھائی ہوئی
رات کے بلاوے بھی ہمیں جدا نہیں
کر سکتے۔ رات چاہتی ہے کہ ہماری
فریادوں کو اپنی ہماری گونج کی ہم آہنگ
بنا لے۔ لیکن آہاہا! ہم اُس وقت تک
ناچتے ہی رہیں گے کہ سحر کے ابتدائی آثار
نمایاں ہو جائیں۔ اس وقت تک ہم پریوا
کو اپنے رہنے کی جگہ پر نہیں لے جائیں
گے، اور نہ اس کے پسینے کی شراب نوش
کریں گے۔ آہاہا! تمھارا پیٹ تو یوں
ہے گویا کسی جھیل کی سطح پر طوفانی کوڑے
پڑ چکے ہوں۔ اے نارانی! تمھارا پیٹ تو
یوں ہے۔ تم نے ابھی سے آخری ناچ
کیوں شروع کر دیا؟ اور تم، پریوا! اے
پریوا! اے رات، ہم آتے ہیں!

(۱۳)

یہ بدھ کی بیوی کی پرارتھنا ہے:
اے مردوں میں سب سے سندر، اے
چندر مکھ! تیری آواز ایسی میٹھی ہے جیسی
گلونا پنچھی کی آواز۔ وہی گلونا پنچھی
جس کی آواز نے ایشور کو بھی پاگل بنا دیا
تھا۔ اے میرے اُجیالے پتی! تو نے ان
باغوں کی جنت میں جنم لیا تھا جو مدھ
مکھیوں کی گنگناہٹ سے گونج رہے
تھے۔ اے گیان کے اونچے پیڑ! مکتی
داتاؤں کی مٹھاس! اے میرے پتی!
تیرے ہونٹ آلوچوں کی طرح گلابی
ہیں، تیرے دانت برف کے گالوں کی
طرح، تیری آنکھیں کنول ہیں، تیری
کھال گلاب کا ایک پھول ہے۔ اے
پھولوں میں سب سے روشن! اے
میرے نہانے موسم! اے عورتوں کے
بغلوں کی خوشبو کہ جو چنبیلی سے اچھی ہے!
اے گھوڑوں میں سب سے اچھے
گھوڑے، کنتھکا! وہ تجھ پر سوار ہو کر
کدھر چلا گیا؟

مرد اور عورت

(۱)

آج موسم کیسا ہے؟
ہم کیا جانیں!
یہ کیا؟ گاؤں سے نکل کر آئی ہو، اور تم
نہیں جانتیں!
دھرتی دھوپ سے اُجیالی ہے لیکن جسم
تک میں
یہ نہ جان لوں کہ تم شاداں ہو یا ملول، کیا
پتا کہ دن اچھا ہو گا یا بُرا؟

(۲)

میری پیاری، میری پیاری پربھتا، اس
کالی رات میں تم کہاں جا رہی ہو؟
میں تو اڑ کر اس جگہ پہنچنے کو ہوں جہاں وہ
میری راہ دیکھ رہا ہے جو دن سے کہیں
سندر ہے!
لیکن کیا تمھیں اکیلے جاتے ڈر نہیں لگتا،
میری پیاری، میری پیاری پربھتا؟
مدن اپنے کاری تیر لیے میرے ساتھ
ہے

(۳)

سکھ کی انجیر!
کہاں؟
سکھ کی انجیر، تمھیں نہیں پتا کہ کہاں ہے؟
تو پھر تم ہی بتا دو
دو شاخوں کے درمیان
ادھر؟
نہیں
اُدھر؟
نہیں
اوپر، نیچے؟
نیچے، لیکن ہلو نہیں
تو پھر تم ہی اسے توڑ لو
میں اوپر جا رہا ہوں
ہے بھگوان! میا، اری میا!
کیا ہوا سکھی؟
کچھ نہیں، میں گرنے لگی تھی
سندری، یہ انجیر بھی کیسی گرم چیز ہے!

(۴)

میں تو تمھیں دیکھ رہی تھی
میں تو کب سے یہیں ہوں
بچھیا نکل بھاگی تھی، اس لیے مجھے دیر
لگ گئی
جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں، میں
نے تمھیں مداری کے ساتھ دیکھا تھا
میں تو اس سے پوچھ رہی تھی کہ اس نے

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

اردو دُنیا

والدین کی عدم دل چسپی کی بنا پر اردو زبان کے فروغ میں دشواریاں

گورکھپور (۳۰ جون)۔ اردو طلبہ کی کم ہوتی ہوئی تعداد اور والدین کی عدم دل چسپی کی بنا پر اردو زبان کے فروغ میں دشواریاں پیدا ہوتی جارہی ہیں اور یہ زبان زندگی کے ہر شعبے اور پیشے میں اپنی اہمیت کھوتی جارہی ہے۔ ساجد علی میموریل کمیٹی کے جلسے میں اس بات پر تشویش کا اظہار کیا گیا کہ خود اردو والے اپنی زبان کی قدر نہیں کررہے ہیں اور اپنی زبان کے تعلق سے اپنے فرائض سے چشم پوشی کرتے جارہے ہیں۔

جلسے میں اردو والوں سے اپیل کی گئی کہ وہ جولائی میں اسکول اور کالج میں داخلے کے وقت اپنے بچوں کو اردو کا مضمون ضرور دلائیں اور اردو پڑھاؤ مہم کو تیز کریں تاکہ ہندوستان کی اس خوب صورت اور قومی آہنگی کی زبان کو فروغ دیا جاسکے۔ جلسے کی صدارت کرتے ہوئے محمد حامد علی نے کہا کہ اب حکومت پر پوری طرح سے منحصر نہیں رہنا چاہیے بلکہ اپنی زبان کی بقا اور تحفظ کے لیے خود میدان عمل میں سرگرم ہونا پڑے گا کیوں کہ اردو کے تعلق سے حکومتوں کے اقدام مایوس کن ہیں۔ اس زبان کے فروغ کے لیے سخت محنت کی ضرورت ہے، یہ کام خود اردو والوں کو کرنا ہے۔ ایسے وقت میں اگر ہم نے اپنی ذمہ داریوں سے منہ موڑا تو تاریخ کبھی ہمیں معاف نہیں کرے گی۔ جلسے میں سرپرستوں سے اپیل کی گئی ہے کہ جن اسکولوں اور کالجوں میں اردو کے اساتذہ نہیں ہیں وہاں منتظمین پر دباؤ ڈالیں کہ وہ اس کا نظم کریں۔ پرائمری درجات میں تو اردو کی تعلیم بے حد ضروری ہے اس لیے پرائمری اسکولوں میں اردو ٹیچروں کی تقرری پر زور دیں۔

جلسے میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا گیا کہ اب ہم اور ہمارے بچے اردو میں کوئی بھی کام نہیں کرتے، اردو کا لکھنا پڑھنا بند ہوتا جارہا ہے، اردو والوں کے گھروں میں ہندی اخبارات لیے جاتے ہیں۔ جلسے میں اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ ایسے اسکولوں میں جہاں اردو طلبہ ہیں لیکن اردو کے ٹیچر نہیں وہاں اردو ٹیچر کی تقرری کے لیے جدوجہد کی جائے گی۔ جو اردو پڑھنے والے غریب اور نادار طلبہ ہیں ان کے لیے ضرورت پڑنے پر کتابوں اور دوسری ضروری چیزوں کی فراہمی کی جائے گی ساتھ ہی محلہ محلہ گھوم کر والدین سے اپیل کی جائے گی کہ وہ اپنے بچوں کو جولائی میں داخلہ دلاتے وقت اردو مضمون ضرور دلائیں کیوں کہ اسی زبان سے بچے تہذیب اور ڈسپلن سیکھیں گے۔ اس زبان میں ہمارا مذہبی اور تہذیبی سرمایہ ہے۔ جلسے میں ضمیر احمد پیام، محبوب سعید حارث، آصف سعید، حافظ عبدالرحمٰن، نذر مظہری اور توفیق ساحر وغیرہ نے شرکت کی۔

(آگ۔ لکھنؤ)

مسلم علاقوں میں ووٹر لسٹ اردو میں فراہم کرائی جائے

نئی دہلی (۲۹ جون)۔ بھٹناول (ایس) صوبہ دہلی کے صدر اور آل انڈیا مسلم ایکتا کمیٹی کے چیئرمین حاجی اکرام حسن نے دہلی کے الیکشن کمیشن وجے دیو کے ساتھ اسٹیفن کالج میں ایک میٹنگ کرکے تبادلۂ خیال کیا۔ حاجی اکرام حسن نے میٹنگ میں کہا کہ مسلم اکثریتی علاقوں سیلم پور، جعفرآباد، چوہان بانگر، موج پور، نور الٰہی، برہم پوری، گوتم پوری، عثمان پور، شاستری پارک، ویلکم، بھٹہ کالونی، کبیر نگر، کردم پوری، مصطفیٰ آباد، چاند باغ اور شری رام راجیو کالونی کے علاوہ نئی و پرانی دہلی کے مسلم علاقوں میں ووٹر لسٹ اردو میں فراہم کرائی جائے تاکہ اردو جاننے والوں کو ووٹر لسٹ سے مزید آسانی ہوسکے۔ مسٹر حسن نے مزید کہا کہ جب دہلی میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے تو اسے تمام شعبوں میں استعمال میں لانا چاہیے تاکہ اردو زبان کی ترویج وترقی بھی ہو اور اردو والوں کو بھی فائدہ ہوسکے۔ سماجی کارکن جاوید خان اور یحییٰ خان نے بھی اظہار خیال کیا۔ اس موقع پر الیکشن کمشنر وجے دیو نے بھٹناول سنگھ کے وفد کی تمام باتوں کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے یقین دہانی کرائی ہے کہ مسلم اکثریتی علاقوں میں ووٹر لسٹ اردو میں فراہم کرائی جائے گی اور جو مسلم نوجوان ووٹ کا استعمال کرنے کے مجاز ہیں ان کے ووٹ کے استعمال کو بھی یقینی بنانے کے اقدام کیے جائیں گے تاکہ کوئی ووٹ ڈالنے سے محروم نہ رہ سکے۔

(انقلاب۔دہلی)

اردو کے ساتھ سوتیلے رویئے کے خلاف متحد ہوکر آواز بلند کرنے کی ضرورت

مظفرپور، بہار (۳۰ جون)۔ اردو زبان کی ترویج و اشاعت کی خاطر اہل مظفرپور خصوصاً اردو داں طبقے نے کمر کس لی ہے اور اردو زبان کے فروغ کی باضابطہ ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس کا نام 'مظفرپور اردو ایکشن کمیٹی، مظفرپور' رکھا گیا ہے۔ اسی سلسلے میں اس تنظیم نے ایک نشست حضرت علی اکیڈمی آزاد روڈ چندوارہ میں منعقد کی جس میں اہل علم و دانش افراد نے حصہ لیا۔ اس نشست میں ابتدائیہ تقریر کے طور پر نشست کے کنوینر پروفیسر سید ابوذر کمال الدین نے اس کے لائحہ عمل، اصول وضوابط سے حاضرین کو روشناس کرایا۔ انھوں نے اس کمیٹی کے مجوزہ دستور و عہدیداران کی تقرری کے متعلق اہل علم افراد سے مشورے بھی طلب کیے۔ نشست کی صدارت پروفیسر فاروق احمد صدیقی نے کی۔ انھوں نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اردو بہار میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ رکھتی ہے لیکن اس کے باوجود سرکاری دفاتر میں اردو کے ساتھ سوتیلا سلوک کیا جاتا ہے جسے اب برداشت نہیں کیا جاسکتا اور اس رویئے کے خلاف ہمیں متحد ہوکر آواز بلند کرنے کی ضرورت ہے تب کہیں جاکر اردو کو اس کا حق مل پائے گا۔ کمیٹی کی تشکیل نو اور اس کے مجوزہ دستور پر بعض مقررین نے اپنے نیک مشوروں سے نوازا۔ بعدازاں اس نشست میں مظفرپور اردو ایکشن کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے پروفیسر سید ابوذر کمال الدین کے نام کی تجویز پیش کی گئی جس کی تائید حاضرین نشست نے یک زبان ہوکر کی، کمیٹی کی مجلس عاملہ کے عہدیداران و ممبران کے ناموں کا اعلان چیئرمین کے ذریعے کیا گیا۔ صدر کے عہدے کی ذمہ داری فاروق احمد صدیقی کو سونپی گئی ہے، نائب صدر محمد احتشام حسین کو نامزد کیا گیا، سکریٹری کی ذمہ داری شبیر انصاری نبھائیں گے اور ان کے معاون یعنی جوائنٹ سکریٹری کا عہدہ پروفیسر شبیر احمد کو ملا ہے۔ کمیٹی میں بطور خازن سلیمان اختر ہوں گے اور کلیم اللہ، رفیق نور، آفاق احمد، اسعد رضوی، نور عالم خاں اور حسن رضا کو مجلس عاملہ کے ممبر کے طور پر اس کمیٹی میں شامل کیا گیا ہے۔ مظفرپور اردو ایکشن کمیٹی میں مظفرپور کے 16 بلاک اور اس سے متصل پنچایت کی بھی نمائندگی ہوگی جس سے اس تحریک کو زیادہ تقویت ملے گی اور اس تحریک سے زیادہ سے زیادہ لوگ منسلک ہوکر اردو کے فروغ میں اپنی شمولیت درج کراکر اردو کی خدمت کریں گے۔ مظفرپور اردو ایکشن کمیٹی کا دائرہ فی الحال مظفرپور تک ہی رہے گا اور اس کی توسیع وقت کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔ نشست میں ڈاکٹر اقبال محمد شمیم، رضی الحق رضوی، محفوظ احمد عارف، الحاج شاہ علوی القادری، اکبر اعظم، مولانا محمد مستحسن اور ایمن ہاشمی وغیرہ جیسے اردو دوست افراد نے شرکت کی۔

(انقلاب۔دہلی)

اردو اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافے کا اعلان

نئی دہلی (۱۱ جون)۔ اردو اساتذہ کے لیے یہ سال ایک نعمت بن کر آیا ہے۔ ایک طرف جہاں ان کے ایریر ملنے کی راہ ہموار ہوئی ہے وہیں دوسری جانب انھیں اب کشمیری مائگرینٹ اساتذہ کے مساوی تنخواہ ملے گی۔ دہلی حکومت کے محکمہ تعلیم نے گزشتہ روز دہلی اردو اکادمی کو مطلع کیا کہ اردو اساتذہ کو بھی اب ضابطے کے مطابق تنخواہ ملے گی۔ اس نوٹیفکیشن میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اردو اساتذہ کو ہر سال مہنگائی بھتہ ملے گا۔ یہ اضافی تنخواہ اساتذہ کو نئے سیشن سے ملنا شروع ہوگی۔ اس کے علاوہ محکمہ تعلیم ایک ہفتے کے اندر اکادمی کو بقایا 85 لاکھ روپے کی رقم ادا کردے گا جس کے بعد اساتذہ کو ان کے ایریر کی رقم دے دی جائے گی۔ ظاہر سی بات ہے کہ اردو اساتذہ کو ان کا حق دلانے میں دہلی اردو اکادمی نے اہم رول ادا کیا ہے ساتھ ہی روزنامہ 'انقلاب' نے بھی اردو اساتذہ کی آواز بلند کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس بات کا اعتراف خود اکادمی کے سکریٹری انیس اعظمی نے کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں 'انقلاب' کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے بڑی سرخیوں اور سنجیدگی کے ساتھ اس معاملے کو اٹھایا۔

غور طلب ہے کہ ۲۰۰۸ء میں دہلی کے لیفٹیننٹ گورنر نے ایک نوٹیفکیشن جاری کرکے ہدایت دی تھی کہ اردو اساتذہ کو بھی کشمیری مائگرینٹ اساتذہ کے مساوی تنخواہ دی جائے مگر یہ معاملہ پانچ سالوں تک التوا میں رہا جب کہ کوششیں برابر جاری رہیں۔ اردو اساتذہ بھی اپنے حق کے لیے مسلسل کوشاں رہے اور اب جاکر اردو اساتذہ کے لیے راحت کی خبر آئی ہے۔ دہلی حکومت کے محکمہ تعلیم نے حالاں کہ اردو اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافے کا اعلان ۱۳ مئی ۲۰۱۳ء کو ہی کردیا تھا لیکن اب اس پر باقاعدہ نوٹیفکیشن جاری کرکے یہ اطلاع دی کہ اب اردو اساتذہ کو بھی پوری تنخواہ دی جائے گی۔ اب تک اردو اساتذہ کی دو کیٹیگری کے مطابق ٹی جی ٹی کو 11,140 روپے اور پی جی ٹی کو 13,160 روپے ملا کرتے تھے۔ اردو اکادمی کے سکریٹری انیس اعظمی نے بتایا کہ اب ٹی جی ٹی اساتذہ کو 22,935 روپے اور پی جی ٹی کو 23,265 روپے ملا کریں گے۔ انھوں نے بتایا کہ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ مہنگائی بڑھنے کے ساتھ ساتھ اردو اساتذہ کو ہر سال مہنگائی بھتہ بھی ملا کرے گا۔ انھوں نے بتایا کہ اساتذہ کو یہ تنخواہ نئے سیشن سے ملنا شروع ہوجائے گی۔ جولائی میں ٹیچروں کا اپائنٹمنٹ ہوگا اور اسی ماہ سے یہ تنخواہ ملے گی۔ اساتذہ کے ایریر کے بارے میں پوچھے جانے پر انھوں نے بتایا کہ اسی ہفتے ہمارے پاس محکمے کی جانب سے 85 لاکھ روپے آجائیں گے، پھر ہم بھی اساتذہ کا حساب لگا کر انھیں ایریر کی رقم تقسیم کردیں گے۔ اس معاملے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے انیس اعظمی نے بتایا کہ ہم روز اول سے ہی اس معاملے میں جدوجہد کررہے تھے۔ ہماری گورننگ کونسل نے بھی کوششیں کیں، بھی وزیر اعلا سے تو کبھی متعلقہ محکمے سے ملاقاتیں کی گئیں تب جاکر یہ کامیابی حاصل ہوئی۔

(انقلاب۔دہلی)

ضلع نلگنڈہ کے 10 سے زائد اردو پرائمری اسکولوں کی برخاستگی کا امکان

اساتذہ کی اسامیوں کو معقول بنانے کے بہانے اردو مدارس کو نشانہ بنایا جارہا ہے

مریال گوڑہ، آندھراپردیش۔ ضلع نلگنڈہ سے بھی اردو کو ختم کرنے کی منظم کوششیں کی جارہی ہیں جس میں حکومت کے ساتھ ساتھ بعض عہدیدار بھی شامل ہیں۔ حکومت نے ریاست بھر میں اساتذہ کے تبادلوں کا شیڈول جاری کردیا ہے، ان تبادلوں کا اصل مقصد اسامیوں کو معقول بنانا ہے۔ اسامیوں کو معقول بنانے کے پس پردہ اصل نشانات اردو میڈیم پرائمری مدارس ہیں۔ ضلع میں اردو مدارس کی حالت انتہائی خستہ ہے، ان مدارس میں انفراسٹرکچر نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اساتذہ کا فقدان ہے، سہولتیں نادارد ہیں جب کہ طلبہ کی تعداد معقول ہے۔ مگر چند برسوں سے حکومت نے اساتذہ کے تقررات کے بجائے ودیا والینٹرس کے ذریعے سرکاری مدارس میں تعلیمی سرگرمیاں انجام دینے کی ہدایت دی ہے۔ نلگنڈہ کے کئی اردو مدارس ایسے ہیں جہاں ودیا والینٹرس کا بھی تقرر نہیں کیا گیا ہے۔ اردو مدارس میں سہولتوں کے فقدان کے باعث سرپرست دیگر میڈیم کے مدارس میں اپنے بچوں کو داخلہ دلانے پر مجبور ہورہے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ اسامیوں کو معقول بنانے سے اردو میڈیم پرائمری مدارس سب سے زیادہ متاثر ہوں گے۔ ضلع بھر میں 40 سے زائد پرائمری اردو مدارس میں ایک سو سے زائد اساتذہ برسرخدمت ہیں، مگر ریشنلائزیشن کے بعد تقریباً 10 سے زائد مدارس کو یہ کہتے ہوئے برخاست کیا جاسکتا ہے کہ ان میں طلبہ کی مطلوبہ تعداد نہیں ہے اور 30 سے زائد اساتذہ کو یہاں تعینات کیا جائے گا۔ ریشنلائزیشن کے بعد جن اردو اسکولوں کو برخاست کرنے کا اندیشہ ہے ان میں چلکور، لنگاگیری، عجائب کالونی نلگنڈہ، ماتم چلک، کاچوار، ملاپورم، بھونگیر اور دیگر مدارس شامل ہیں۔ ۱۹۸۵ء میں اس وقت کی حکومت نے اردو پرائمری اسکولوں کو ان مقامات پر قائم کیا تھا جہاں مسلمانوں کی آبادی قابل لحاظ ہے۔ ۱۹۸۵ء سے اب تک یعنی تقریباً 28 برسوں سے ان مدارس کو اپ گریڈ نہیں کیا گیا۔ اگر ان مدارس کو اپ گریڈ کیا جاتا تو ہائی اسکولوں کی تعداد بھی بڑھتی لیکن حکومت اور متعصب عہدیداروں کے علاوہ نام نہاد عوامی نمائندوں نے بھی اس جانب کوئی توجہ نہیں دی۔ ضلع کے ایسے کئی مقامات ہیں جہاں اردو یوپی ایس اور ہائی اسکولوں کی اشد ضرورت ہے۔ کئی علاقوں میں مسلم بچے یوپی ایس اور ہائی اسکولوں کے نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم ترک کرنے پر مجبور ہورہے ہیں۔ حکومت فروغ اردو اور اردو مدارس کی ترقی و بقا کے لیے مثبت اقدام کرنے کا دعویٰ کررہی ہے مگر اب ضلع کے 10 سے زائد پرائمری اسکولوں کو بند کرنے کا خدشہ پیدا ہوگیا ہے جو ان کے دعوے کے برعکس ہے۔ اقلیتی قائد محمد قاسم نے شکایت کی کہ اردو کے تئیں حکومت کا رویہ جانبدارانہ ہے۔ حکومت صرف زبانی وعدے کرتی ہے۔ جب عملی اقدام کی بات کی جاتی ہے تو کانگریسی وزرا اور اس کے قائدین بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ انھوں نے حکومت کو ریشنلائزیشن کے نام پر اردو مدارس کو بند کرنے کی کوششوں پر انتباہ دیا اور کہا کہ اس عمل سے اردو مدارس کو مستثنیٰ کیا جائے۔ انھوں نے ضلع کے ہر دو منڈلوں کے لیے ایک اردو ہائی اسکول اور ہر چار منڈل کے لیے ایک جونیئر کالج برائے اردو میڈیم قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے ریاست بھر کے تمام اردو مدارس میں اساتذہ کی خالی اسامیوں پر تقررات کے لیے خصوصی ڈی ایس سی منعقد کرنے پر بھی زور دیا۔

(منصف، حیدرآباد)

نالندہ میں اردو کے ساتھ سوتیلے پن کا سلوک

ضلع کے 2+ کے 131 اسکولوں میں اردو اساتذہ کی صرف 19 اسامیاں منظور

پٹنہ (۱۱رجون)۔ وزیر اعلا نتیش کمار کے آبائی ضلع نالندہ میں ریاست کی دوسری سرکاری زبان اردو کے ساتھ متعلقہ افسران سوتیلے پن کا سلوک کررہے ہیں۔ ضلع میں 2+ کے 131 اسکول ہونے کے باوجود صرف 19 اردو اسامیاں ہی نکالی گئی ہیں جب کہ موجودہ حکومت ہمیشہ یہ باور کرانے کی کوشش کرتی ہے کہ ریاست کے ہر ایک 2+ اسکول میں کم از کم ایک اردو ٹیچر کی بحالی لازمی ہوتی ہے مگر حقائق بالکل اس کے برعکس ہیں۔ اساتذہ بحالی کے تیسرے مرحلے کے تحت ریاست میں 2+ اسکولوں کے لیے نکالی گئی کل اسامیوں کی تعداد 42000 میں سے ہندی کے لیے 3656 اور انگریزی کے لیے 4101 اور صرف 3 ہی اضلاع میں پڑھائی جانے والی میتھلی کے لیے دو سو سے زائد اسامیوں کے مقابلے پوری ریاست میں پڑھائی جانے والی اردو کے لیے صرف 336 اسامیاں ہی مختص کرکے سرکاری حکام نے تعصب اور اردو دشمنی کی بدترین مثال پیش کی ہے۔ جب وزیر اعلا کے آبائی ضلع کا یہ حال ہے تو باقی اضلاع کا کیا حال ہوگا؟ حالاں کہ وزیر اعلا نتیش کمار نے حکام کو یہ ہدایت دے رکھی ہے کہ اردو کے ساتھ کسی بھی طرح کی ناانصافی نہیں ہونی چاہیے لیکن شاید حکام ان کی ہدایتوں کو فراموش کرچکے ہیں۔

اردو کے ساتھ اس متعصبانہ رویے سے حیران محبان اردو نالندہ کا ایک وفد مورخہ ۱۰رجون کو دوپہر ایک بجے ملاقات کا وقت لے کر ضلع لوک کمیٹی نالندہ کے صدر زاہد انصاری کی قیادت میں ڈی ڈی سی اور انچارج ضلع مجسٹریٹ بی. کارتیکے سے ملنے گیا، مگر دوپہر ایک بجے سے شام ساڑھے پانچ بجے تک طویل انتظار کرانے کے باوجود انھوں نے نہ تو ملاقات کی اور نہ ہی فون ریسیو کیا۔ مایوس ہوکر وفد نے ان کے او ایس ڈی وکاس کمار کو میمورنڈم سونپا اور بغیر ملاقات کیے ہی لوٹ گیا۔ افسر سے وقت دے کر ملاقات نہیں کرنے کے سلسلے میں جب دریافت کیا گیا تو انھوں نے ایک ضروری میٹنگ میں مصروف رہنے کا عذر پیش کیا۔ اچانک ہوئی اس مصروفیت کے سبب وفد سے ملاقات نہیں کرپانے کی صورت میں انھیں مطلع کرنے کے بارے میں پوچھے جانے پر بغیر جواب دیے ہی فون کاٹ دیا گیا، مگر باخبر ذرائع کا کہنا ہے کہ اس وقت کوئی میٹنگ منعقد ہی نہیں ہوئی تھی اور محبان اردو سے دانستہ طور پر ملاقات نہیں کی گئی۔ جب لوگ ملاقات کے لیے انتظار کررہے تھے اس وقت مسٹر کارتیکے ایس. پی. چیمبر میں بیٹھ کر مبینہ طور پر گپ بازی میں مصروف تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس سے قبل بھی گزشتہ ۲۹ فروری کو انھوں نے اردو اساتذہ کی بحالی کے سلسلے میں زاہد انصاری اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات کا وقت طے کرنے کے باوجود ملاقات نہیں کی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود وزیر اعلا کے آبائی ضلع میں افسران کتنے خودسر اور متعصب ہیں اور انھوں نے ریاست کی دوسری سرکاری زبان اردو کے ساتھ کیسا متعصبانہ رویہ اختیار کررکھا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ریاست میں 2+ اسکولوں کے لیے نکالی گئی کل 42 ہزار اسامیوں میں سے اردو اساتذہ کے لیے صرف 336، جب کہ ریاست کے صرف 3 اضلاع میں ہی پڑھائی جانے والی میتھلی زبان کے اساتذہ کی 200 سے زائد جگہیں نکالی گئیں۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

بیسک تعلیم کی حالت بد سے بدتر

اردو اساتذہ سائنس اور ریاضی پڑھانے پر مجبور

کانپور۔ کئی جونیئر ہائی اسکولوں میں اردو کے اساتذہ ہی سائنس اور ریاضی پڑھا رہے ہیں۔ یہی نہیں، کانپور شہر کے 131 اعلا پرائمری اسکولوں میں ایک ہی استاد سبھی مضامین کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہی صورت حال ارد گرد کے اضلاع کی بھی ہے۔ کئی اضلاع میں تو تعلیم کے دوستوں کے سہارے ہی بیشتر اسکول چلائے جارہے ہیں۔ بیسک اسکولوں میں تعلیم کا حال بے حال ہے۔ اسکولوں میں طالب علم بغیر پنکھا اور لائٹ کے تعلیم حاصل کرتے ہیں تو پانی اور ٹوائلٹ تک کو ترستے ہیں۔ 141 طالب علم والے اعلا پرائمری اسکول سول لائن، کانپور میں ٹیچر تاج فاطمہ ہی انگریزی، ریاضی اور سائنس کی کلاسیں لیتی ہیں۔ جونیئر ہائی اسکول روہا میں اردو کی ٹیچر تسنیم فاطمہ ہی سبھی مضامین پڑھاتی ہیں۔ جونیئر ہائی اسکول شاستری نگر کانپور کو پرائمری سے جوڑ دیا گیا ہے جس کی وجہ سے پرائمری کے استاد ہی جونیئر ہائی اسکول کے طلبہ کو بھی پڑھا رہے ہیں۔

کانپور شہر کے 382 پرائمری اور 53 جونیئر اسکولوں میں تقریباً 40 ہزار طلبہ کو 634 اساتذہ پڑھا رہے ہیں۔ جون میں 42 اساتذہ ریٹائر ہورہے ہیں۔ پرائمری اسکول بینا جھابرول میں بجلی کے میٹر کی ادائیگی نہ ہوپانے کی وجہ سے کٹ گیا ہے۔ دیگر اسکولوں کا بھی یہی حال ہے۔ بی آر سی صدر بازار کانپور کے کوآرڈینیٹر سعید احمد نے بتایا کہ علاقے میں 52 اسکول ہیں جہاں آج تک بجلی ہی نہیں آئی۔ کانپور کے ڈپٹی بی ایس اے ڈاکٹر رام سروپ راٹھور نے بتایا کہ 1973 میں 432 اردو اساتذہ کی تقرری ہوئی تھی، دیگر موضوعات میں جن اساتذہ کی تقرری ہوئی تھی وہ ریٹائرڈ ہوچکے ہیں۔ اردو اساتذہ کی سروس شرائط میں تھا کہ ضرورت پڑنے پر دیگر مضامین پڑھانے ہوں گے۔ گزشتہ سال ایڈجسٹمنٹ سے دیگر اساتذہ دوسرے ضلع سے آئے ہیں۔ نظام میں اصلاحات کا عمل جاری ہے۔ رقم کی کمی کی وجہ سے میٹر کٹ گئے ہیں، رقم ملتے ہی حل کردیا جائے گا۔ وزیر اعلا کے ترجیح والے قنوج ضلع میں 1664 بیسک اور جونیئر ہائی اسکولوں میں 104854 طلبہ وطالبات ہیں، ان میں 2726 اساتذہ اور 2000 شکشا متر سمیت کل 4726 اساتذہ تعینات ہیں۔ اساتذہ کی کمی کے سبب بیسک اسکولوں کا تعلیمی نظام شکشا متروں کے کندھوں پر ہے۔ کئی اسکولوں میں سائنس و ورزش کے اساتذہ کی کمی ہونے کی وجہ سے وہاں کے طلبہ کو ان کی تعلیم نہیں مل پارہی۔ اسکولوں میں نمونے میل کے معیار میں بھی بہتری نہیں ہوئی۔ ضلع فرخ آباد میں تو سب کے لیے تعلیم مہم کے تحت گزشتہ سال بیسک اسکول وسائل سے آراستہ ہوگئے لیکن ماسٹر ہی وقت سے اسکول نہیں پہنچتے تو والدین نے بھی فرمان سنادیا کہ اسکول جانے سے اچھا گھر کھیت کا ہی کرو کام۔ تاہم ضلع میں سو سے زیادہ اسکول ہیں۔ وہاں اساتذہ کی چھٹی پر اسکول میں تالا پڑ جاتا ہے۔ بیسک میں 2219 اور اعلا پرائمری میں 1310 اساتذہ کے عہدے خالی ہیں۔ جونیئر اسکولوں میں سائنس و ریاضی کے 193، سماجی مطالعے کے 102 اور زبان کے 103 اساتذہ کی کمی ہے۔

اناؤ کا حال بھی بے حال ہے۔ ضلع میں 1238 پرائمری اور 536 اعلا پرائمری اسکول ہیں۔ پرائمری میں 99772 اور اعلا پرائمری اسکولوں میں 35402 بچے ہیں۔ اساتذہ کی دستیابی کی بنیاد پر بچے ہی ٹیچر طلبہ کا تناسب 40.1 سے گر کر 28.1 ہوگیا لیکن ایڈجسٹمنٹ اور تبادلے کی پالیسی اختیار کرنے کی وجہ سے کئی اسکولوں میں ایک استاد کے بیمار ہونے پر تالے کی نوبت رہتی ہے۔ شہر علاقے میں تقریباً 80 فیصد اسکول انچارج ہیڈ ماسٹر کے بھروسے چل رہے ہیں۔ مسائل سے دوچار بندیل کھنڈ کی حالت بھی کیسے الگ ہوسکتی ہے۔ باندہ میں 1320 اسکولوں میں 2818 اساتذہ ہیں۔ کماسن، جسپورہ، ترندی وکرگل علاقے کے پچاس اسکول محض ایک استاد کے بھروسے ہی چل رہے ہیں۔ بیسک تعلیم افسر منڈپ چودھری نے بتایا کہ ضلع میں کم سے کم دو ہزار اساتذہ کی ضرورت ہے۔

اوریا میں تو زبان اساتذہ ہی سائنس پڑھا رہے ہیں جب کہ تیس ایسے بھی اسکول ہیں جن میں دو دو سائنس ٹیچر تعینات ہیں۔ مگر جانچ سطح پر موجودہ سیشن میں اب تک جو معائنہ ہوئے ان کی رپورٹ بتاتی ہے کہ درجہ ایک کے 55 فیصد بچے نہیں لکھ پائے، دوسرے درجے کے 63 فیصد بچوں کو گنتی نہیں آتی۔ تین سے پانچ تک کے 45 فیصد بچے خورد وشمار و پہاڑا میں فیل ہیں تو چھ سے آٹھ تک کے 48 فیصد بچے کتاب نہیں پڑھ پائے۔

ہردوئی کے بیسک اسکولوں میں نسبتاً وسائل کی کمی کم نظر آرہی ہے۔ 2820 پرائمری اور 1022 اعلا پرائمری اسکولوں میں 5407 ٹیچرس ہیں اور ان کو پانچ لاکھ 48 ہزار 703 بچوں کو تعلیم دینی ہے۔ تعلیم کا حق ایکٹ میں 30 بچوں پر ایک استاد ہونا چاہیے لیکن ضلع میں 101 بچوں پر ایک استاد ہے۔

(انقلاب، دہلی)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : توبہ
مصنف : محمد طارق
ضخامت : ۱۱۲ صفحات
قیمت : ۱۲۵ روپے
ناشر : امین نثار، ٹرسٹی نیوز پیپر ایجنسی، اسٹریٹ نمبر ۳ نمونہ، امراوتی - ۴۴۴۶۰۱
تبصرہ نگار : ایم رحمن (دہلی)
mrahmandelhi@yahoo.com

زیر نظر کتاب 'توبہ' افسانوں کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کے مصنف معروف افسانہ نگار محمد طارق (کوٹھاپور، امراوتی) ہیں۔ کتاب میں سترہ افسانے شامل ہیں۔ اسے ایوانِ ادب، اردو لٹریری سوسائٹی، امراوتی نے خوب صورت انداز میں شائع کیا ہے۔ موصوف گزشتہ تیس برس سے اپنے افسانوں کی کائنات کو اپنے خونِ جگر سے لالہ زار کیا ہے۔ ذاتی زندگی میں انھوں نے کھری کھوٹی اور سچی باتوں کو اپنا اصول بنایا ہے، منظر نگاری پہ انھیں ملکہ حاصل ہے کیوں کہ منظر نگاری کا جادو ہی کسی افسانہ نگار کو بڑا افسانہ نگار بنا دیتا ہے۔ اگر کہیں بارش کا منظر پیش کیا گیا ہے تو پڑھنے والا نفسیاتی طور پر یہ محسوس کرے کہ بارش ہو رہی ہے اور وہ بھی خود بھیگ رہا ہے۔ یہی وصف افسانہ نگار محمد طارق کے یہاں ملتا ہے۔

دوسری جانب موصوف زندگی کے سنگلاخ حقائق کو کہانی کے کرداروں میں پرو کر پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی لگن اور دیانت داری کو لائحہ عمل بنا کر ادبی دنیا میں اپنی شناخت بنائی ہے۔

صفحہ ۳ پر انتساب یوں درج کیا ہے:

"افسانہ 'توبہ' کے مرکزی کردار
رضیہ
کے نام
جس نے اپنی توبہ سے توبہ نہیں کی..."

'تمہید' میں محمد طارق بہت کچھ لکھتے ہیں مگر راقم صرف چند سطریں بطورِ حوالہ درج کر رہا ہے:

"میرے افسانے زیرِ لب مسکرانے لگے پھر بولے، تم شہرت کے لیے نہیں لکھتے تو پھر ہمیں شائع کیوں کراتے ہو؟ فائل میں ہی کیوں نہیں رہنے دیتے؟

میں نے سنا ہے کہ دردِ دل کے اظہار سے اس کی شدت میں کمی واقع ہوتی ہے اس لیے اے عزیز افسانو! تمھیں شائع کر کے میں اپنے دکھ، اپنی بے چینی اور اپنے دردِ دل میں شراکت چاہتا ہوں"۔

صفحہ ۹ پر مشمولہ افسانہ 'شریف' میں شرٹ سے ماخوذ ہے:

"ہر انسان صرف ویسا نہیں ہوتا جیسا نظر آتا ہے بلکہ ویسا بھی ہوتا ہے جیسا نظر نہیں آتا"۔

یقیناً یہ فقرہ 'شریف' میں شرٹ کی تفسیر سناتا ہے۔ دیکھیے جو آپ مجھے دیکھ رہے ہیں وہ میں نہیں ہوں اور جو نہیں ہوں وہی میں ہوں۔

ان کے افسانے اردو زبان کے وسیع منظرنامے کو پیش کرتے ہیں۔ افسانوی مجموعہ 'توبہ' کا مطالعہ کیجیے، دیکھیے کیسی منظر نگاری ہے۔ افسانے کا رسیلا پن ان کی تحریر کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہاں کہانی بنتے بنتے بنتی ہے اور وہیں کہانی کی مقصدیت کا اظہار ہوتا ہے جو قاری کو آخر تک ساتھ لے چلتی ہے اور حیرت انگیز چونکا دینے والی ماجرائی کیفیت کا احساس دل و دماغ کے بند دریچے کھول دیتی ہے۔ یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ محمد طارق اپنی مصروفیتوں کے پیش نظر کتنے منظم ہیں کہ وہ ایک طویل مدت سے کہانی کے تانے بانے بنتے رہے ہیں اور کہانی آج بھی لکھتے ہیں۔ ان کے یہاں تخلیقی ذہن ہے اور مزاج میں ٹھہراؤ بھی۔

صفحہ ۹ پر ڈاکٹر محمد یحییٰ جمیل نے محمد طارق کے افسانوں میں نفسیاتی پہلو پر اپنی گراں قدر رائے پیش کی ہے۔ راقم الحروف چند باتوں کو ہی رقم کر رہا ہے:

دو جگہ رہتے ہیں ہم ایک تو یہ شہرِ ملال
ایک وہ شہر جو خوابوں میں بسایا ہوا ہے

محمد طارق نے غلاظت میں رہنے والے کرداروں کو محبت سے دیکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ غیر اخلاقی کہانیاں بھی احترام آمیز پیرائے میں ختم ہوتی ہیں۔ طارق کو اپنے کرداروں سے جو محبت ہے اس کی مثال مجموعے میں شامل افسانہ 'پاؤ' ہے۔ اس افسانے کے ناپاک کردار سے قاری کو ہمدردی ہو جاتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ ادبی حلقے میں یہ کتاب ضرور مقبول ہوگی اور نفسیاتی کہانی میں 'توبہ' کو پذیرائی حاصل ہوگی۔

○○○

نام کتاب : حق گوئی و بے باکی
(تنقیدی مضامین)
مصنف : رؤف خیر
ضخامت : ۱۸۳ صفحات
قیمت : ۲۵۰ روپے
ناشر : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۳۱۰۸-وکیل اسٹریٹ، کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی-۱۱۰۰۰۶
تبصرہ نگار : دیپک بدکی
deepak.budki@gmail.com

'حق گوئی و بے باکی' رؤف خیر کے اکیس تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے جس کی تمہید کے طور پر خالد یوسف کا ان پر لکھا ہوا تعارفی مضمون بعنوان 'سرچشمۂ دانش و فن' بھی شامل ہے۔ رؤف خیر کے بارے میں خالد یوسف فرماتے ہیں کہ وہ ایک ہمہ جہت قلم کار ہیں جنھوں نے روایتی شاعری (غزل، نظم، حمد، نعت و منقبت)، غیر روایتی شاعری (تکونیاں، یک مصرعی نظم، ہائیکو، ماہیے، سانیٹ و ترائلے)، ادبِ اطفال، ترجمہ، تنقید اور تذکرہ وغیرہ کئی میدانوں میں اپنی دانش و بینش اور فکر کی گہرائی کا لوہا منوایا ہے۔ حالاں کہ ان کی فکر و شاعری پر مذہب کی چھاپ بہت گہری ہے مگر ان کا مذہب عالم گیر اور انسانیت کا مذہب ہے، آپسی رنجش و نفرت کا نہیں۔ ان کی اب تک (۹) کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں چار شعری مجموعے ہیں۔

پہلے مضمون میں 'اچھی نثر کی خصوصیات' انھوں نے یوں گنائی ہیں: طے شدہ تقسیم، تکلف و تصنع سے عاری، چھوٹے اور مکمل جملے، مرکب جملوں سے احتراز، علمیت کا اظہار، زبان و بیان پر دسترس، الفاظ کو دہرانے اور حشو و زائد سے پرہیز وغیرہ۔ ان کا ماننا ہے کہ اچھی نثر لکھنا غزل کہنے سے زیادہ مشکل ہے۔ دوسرے مضمون میں فکشن اور شاعری کی دو مشہور خواتین قرۃ العین حیدر اور پروین شاکر کے بیچ ہوئی غلط فہمی اور آپسی چپقلش کی روداد پیش کی گئی ہے جب کہ تیسرے مضمون میں اردو دوست، اصول پسند اور صاف گو انگریز کیمونسٹ رالف رسل کی شخصیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رسل نے ہندستان کے سیاست دانوں جیسے گاندھی و جناح اور قلم کاروں جیسے کرشن چندر، قرۃ العین حیدر وغیرہ پر دو ٹوک الفاظ میں اپنی رائے دی ہے۔ مشہور افسانہ نگار اور ناول نگار عزیز احمد کی شاعری، مدیر 'نقوش' کے ساتھ ان کی سودے بازی، ناول 'برے لوگ' پر ان کی چھاپ اور ان کے حوالے سے ڈاکٹر تقی علی مرزا سے انٹرویو اگلے چار مضامین کے موضوع ہیں۔ بقول تنقید نگار عزیز احمد کی شاعری میں زبان و بیان کی پختگی، ڈرامائیت نیز ذاتی کرب اور سماجی و سیاسی شعور نظر آتا ہے مگر آسودہ حال ہونے کے باوجود انھوں نے مدیر 'نقوش' کے ساتھ اپنی نگارشات کے لیے سودے بازی کی جس کے ثبوت نقاد نے فراہم کیے ہیں۔ رؤف خیر نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ناول 'برے لوگ' دراصل انھی کی تحریر ہے۔ ڈاکٹر تقی علی مرزا سے لیے گئے انٹرویو سے پتا چلتا ہے کہ عزیز احمد بہت ہی اچھے معلم تھے، عاشق مزاج تھے، انگریزی ادب پر مکمل دسترس رکھتے تھے، انگریزی، جرمن، فرانسیسی، لاطینی اور اطالوی ادب پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انھوں نے ثابت کیا تھا کہ سانیٹ عربی زبان کی دین ہے اور اپنے ناولوں میں وہ اشرافیہ کی کھوکھلی تہذیب کی عکاسی کرتے تھے۔ عزیز احمد بحیثیت شاعر و مترجم کے موضوع پر رؤف خیر ڈاکٹریٹ حاصل کرنے کے لیے مقالہ لکھ رہے ہیں۔ (ص ۱۹۲)

رؤف خیر نے 'یوتھنیزیا (Euthanasia) کہانیاں' کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے اس میں اردو ادب میں اس موضوع پر لکھی گئی کہانیوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ یہاں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ راقم الحروف نے بھی ۱۹۷۰ء میں اپنی پہلی کہانی 'خودکشی' رحمی موت (Euthanasia) کے موضوع پر ہی لکھی تھی جو افسانوی مجموعہ 'ادھورے چہرے' میں شامل ہے۔ ڈاکٹر رینالڈ اے نکلسن نے رومی اور شمس تبریز کے فکر و نظریے پر کافی کام کیا ہے جس کے بارے میں رؤف خیر نے اپنے مضمون 'رومی، نکلسن کے حوالے سے' میں جانکاری دی ہے۔ علاوہ ازیں 'رومی غزلوں کے حوالے سے' میں ان کی غزل گوئی پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ 'ریختی - امیر خسرو سے زبیر رضوی تک' ایک تحقیقی مضمون ہے جس میں ریختی کے ارتقا سے بحث کی گئی ہے۔ مضمون 'آج کے منظر نامے میں نظم' موجودہ دور میں نظم کی معنویت پر لکھا گیا ہے جب کہ 'ادب کے تئیں میرا نقطۂ نظر' میں ناقد نے اپنے نظریے کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح 'پوپ کہانیاں' کے عنوان سے لکھے گئے مضمون میں اس نام نہاد مصنف کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مذکورہ مضامین، اپنی مشمول مختصر ترین کہانیوں اور پھر اقبال اور منٹو کے خیالات کی تصدیق سے لگتا ہے کہ نقاد کسی ایک ڈگر کا تعین نہیں کر پا رہے ہیں۔

شاعروں، ادیبوں اور فن کاروں کے حوالے سے بھی کئی مضامین شامل کیے گئے ہیں جیسے 'مولانا ابوالکلام آزاد'، 'ولی دکنی - اردو غزل کا بابا آدم'، 'اقبال - ادبِ اسلامی کا نقیب'، 'فیض اقبال - فدائے حسن - ایم ایف حسین' اور 'بس ایک تبسم کے لیے' (واجدہ تبسم)۔ اس کے علاوہ 'سالار جنگ سوم کی مدح میں غیر منقوط قصیدہ' اور 'غازی علم الدین کے لسانی مطالعے' کے عنوان سے بھی دو مضامین شامل ہیں۔ آخر الذکر مضمون کے حوالے سے اتنا کہنا کافی ہوگا کہ خود رؤف خیر بھی غیر ضروری انگریزی الفاظ کا، جن کے متبادل اردو میں موجود ہیں، استعمال کر چکے ہیں مثلاً Coin (اختراع) ص ۱۳۹، Quote (قول، حوالہ)، Exhibition (نمائش) ص ۱۳۹۔ کہیں پر اردو لفظ کے ساتھ انگریزی لفظ بھی دیا گیا ہے، پھر ان الفاظ کی طرف بھی دیکھیں: کلیشے Cliche (کلیشے) ص ۱۵۷، ص ۱۳۷، خود سری Dogmatism (ادعائیت، قیاسی عقیدہ)، ۱۹۳۸ء یعنی ہندستان کی آزادی سے بھی پہلے (ہندستان ۱۹۴۷ء میں آزاد ہوا تھا)۔

اس کے علاوہ کچھ تخلیقی مضامین بھی کتاب کی زینت بن چکے ہیں جن میں رؤف خیر کی بذلہ سنجی اور ظرافت سامنے آتی ہے مثلاً 'استغفر اللہ'، 'کند ہم جنس با ہم جنس'، 'مزار بے مروہ'، 'ضرورت رشتہ' اور '...بھی حج کو چلی'۔ ان مضامین میں قلم کار نے معاشرے میں پنپ رہی بے ضابطگیوں پر طنز کے تیر برسائے ہیں۔

مجموعی طور پر زیر تبصرہ کتاب رؤف خیر کی ہمہ دانی اور اردو نوازی کا آئینہ ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کتاب کی ادبی حلقوں میں کافی پذیرائی ہوگی۔

○○○

بقیہ: ٹیگور، پریم چند اور...

صفحہ ایک سے آگے

رومانیت، صناعی اور شاعرانہ جذباتیت ان کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی تھی لہٰذا اسرار معابد (۱۹۰۳ء) ہم خرما ہم ثواب (۱۹۰۶ء)، جلوۂ ایثار (۱۹۱۰ء) اور سوز وطن (۱۹۰۸ء) تک آتے آتے انھوں نے رومانی اور داستانی لبادے اتار ڈالے اور وہ مخصوص رنگ اختیار کیا جس کی وجہ سے پریم چند، پریم چند بنے۔ وقت اور حالات کے مطابق پریم چند کے فن، اسلوب، نقطۂ نظر میں بتدریج ارتقا ملتا ہے لیکن یہ بات ہمیں شرت چندر اور ٹیگور کے یہاں نظر نہیں آتی۔ شرت چندر اور ٹیگور شروع سے آخر تک کم و بیش ایک ہی انداز میں ٹھہراؤ کے ساتھ لکھتے رہے، جب کہ پریم چند کے یہاں موضوع، اسلوب اور تکنیک کے باب میں تنوع اور ترفع ملتا ہے۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ ٹیگور اور پریم چند دونوں پر شروع میں انگریزی ادب سے سرقہ کرنے کے الزامات عائد کیے گئے۔ ٹیگور کے ناول 'گورا' پر جارج ایلیٹ کے ناول Danial Doganda کا چربہ ہونے کا الزام لگایا گیا تو پریم چند کے 'چوگان ہستی' پر ٹھیکرے کے Vanity Fair کا اور 'گوشۂ عافیت' پر رزرکشن (Resrrection) کا سرقہ ہونے کا الزام لگایا گیا۔ پنڈت اودھ نرائن اُپادھیائے کے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے پریم چند نے لکھا کہ:

"میں نے رزرکشن نہیں پڑھا ہے اور اگر بغیر پڑھے ہی 'گوشۂ عافیت' میں رزرکشن کے جذبات و احساسات آگئے ہیں تو یہ میرے لیے فخر کی بات ہے"۔

اسی طرح 'چوگان ہستی' اور Vanity Fair کے بارے میں وضاحت کی کہ:

"میں نے وینٹی فیئر ۱۹۰۳ء میں پڑھا تھا اور 'چوگان ہستی' ۱۹۲۵ء میں لکھا، وینٹی فیئر کے اثرات کا اتنے دنوں تک دل و دماغ میں محفوظ رہنا مشکل ہے خصوصاً میرے لیے، کیوں کہ میری میموری اچھی نہیں ہے"۔

اسی طرح بابو رتن داس نے 'ٹامس ہارڈی اور پریم چند' کے عنوان سے ہارڈی کی کہانی To Please his Wife اور پریم چند کی کہانی 'آبھوشن' کے پلاٹوں کا موازنہ کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ پریم چند نے دراصل ہارڈی کی کہانی سے سرقہ کیا ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے پریم چند نے لکھا کہ "'آبھوشن' کے پلاٹ اور ہارڈی کے قصے میں کچھ مماثلت تو ضرور ہے لیکن ٹامس ہارڈی کو جو بات سوجھ سکتی ہے وہ کسی دوسرے ادیب کو کیوں نہیں سوجھ سکتی۔ ہمیں کیا پاگل کتے نے کاٹا ہے جو ٹامس ہارڈی سے ادھار لینے جاتے"۔

اسی طرح ٹیگور نے بھی سرقے سے متعلق الزامات کی تردید کی ہے۔

ٹیگور کی پہلی کہانی 'بھکارنی' رسالہ 'بھارتی' میں ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی تھی لیکن انھوں نے باقاعدہ طور پر افسانہ نگاری رسالہ 'ہت وادی' میں ۱۸۹۲ء سے شروع کی۔ ناول نگاری کی طرف ان کی توجہ بعد میں ہوئی جب کہ پریم چند نے پہلے ناول نگاری کی پھر افسانہ نگاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کا پہلا ناول 'اسرار معابد' بنارس کے ہفتہ وار 'آواز خلق' میں ۸؍اکتوبر ۱۹۰۳ء سے قسط وار شائع ہونا شروع ہوا اور یکم فروری ۱۹۰۵ء میں مکمل ہوا۔ ان کا پہلا افسانہ 'عشق دنیا اور حب وطن' ۱۹۰۸ء میں 'زمانہ' کانپور میں شائع ہوا۔ اس طرح دو باتیں سامنے آتی ہیں، ٹیگور افسانہ سے ناول کی طرف آئے اور پریم چند ناول کے بعد افسانے کی طرف متوجہ ہوئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ٹیگور کے ناولوں اور افسانوں میں موضوع اور رویہ دونوں اعتبار سے فرق ہے۔ ٹیگور کے ناولوں کے موضوعات کردار اور واقعات شہر اور شہری زندگی سے تعلق رکھتے ہیں جب کہ ان کے افسانوں میں گاؤں، دیہاتوں کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ ٹیگور کے افسانوں اور ناولوں کے موضوعات، کرداروں اور تخلیقی رویوں میں تضاد کیوں ہے اس کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ٹیگور رہنے والے تو کلکتہ کے تھے جو اس وقت بھی ہندستان کا اہم اور ترقی یافتہ شہر تھا اور جہاں انیسویں صدی کے اواخر میں ہی دوسرے شہروں کے مقابلے میں صنعتی زندگی کا آغاز ہو چکا تھا، لیکن ان کا آبائی پیشہ چوں کہ زمینداری تھا اس لیے غیر ممالک سے واپس آنے کے بعد انھیں اپنے گاؤں میں جاتے رہنے اور وہاں کے لوگوں کی زندگی اور مسائل کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ چناں چہ یہی وجہ ہے کہ جہاں ان کے افسانوں کی فضا رومانی ہونے کے باوجود زندگی کی تلخیں حقیقتوں سے بھی پُر ہے وہاں ان کے ناولوں میں حقیقت نگاری کم اور رومانیت اور عینیت پسندی زیادہ ملتی ہے۔ ٹیگور کم آمیز تھے، انھوں نے اپنے ناولوں کے پلاٹ یا تو کتابوں سے اخذ کیے ہیں یا پھر اپنی تخلیقی قوت، مشاہدہ اور تجربے کی بنا پر تخیلی و تصوراتی سطح پر تراشا ہے۔ جب کہ اپنے افسانوں کے پلاٹ اور کردار جیتی جاگتی زندگی سے (دور سے محض دیکھ کر ہی سہی) لیے ہیں۔

اسی طرح شرت چندر کے فن پر جذباتیت غالب ہے۔ رونے رلانے کے عمل کے اعتبار سے شرت چندر اردو کے 'مصور غم' راشد الخیری سے مماثلت رکھتے ہیں۔ اپنی دھرتی بنگال سے بے پناہ محبت کے باوجود شرت چندر کی عمر کا زیادہ حصہ بنگال سے باہر گزرنا پڑا۔ اس کے نتیجے میں وہ زیادہ سے زیادہ Naustal gic ہوتے گئے۔ چناں چہ شرت چندر کے ناولوں کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے تمام ناولوں میں صرف اور صرف بنگال کو ہی پیش کیا ہے۔ پہلو بدل بدل کر بنگال کے ساتھ جذباتی لگاؤ کا شرت چندر نے کھل کر مظاہرہ کیا ہے۔ رومانیت اور لذتیت کے شیر و شکر کے ساتھ طبقاتی کشمکش، سماجی مساوات، زمیندارانہ اور جاگیردارانہ استحصال وغیرہ کی باتیں محض ضمناً آگئی ہیں ورنہ شرت چندر کے فن کا بنیادی اور مرکزی استعارہ بنگال ہی ہے۔ شرت چندر نے اپنا زیادہ وقت بھاگل پور اور دیوانند پور میں گزارا یا پھر بہ سلسلۂ معاش برما چلے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنگال کے ضمن میں ان کا حصہ عموماً دور کا جلوہ ہی رہا، لیکن وہ بنگال سے جس قدر دور ہوتے گئے بنگال کے لیے ان کی محبت اور جذباتیت اتنی ہی بڑھتی گئی، لیکن بنگال میں اس عہد میں رونما ہونے والے تغیرات اور حقائق کو شرت چندر نے جھیلا نہیں یہاں تک کہ جب ہندستان میں قومی بیداری کی لہر اٹھی اور جس کا مرکز ایک حد تک بنگال ہی تھا۔ تب بھی وہ بنگال سے دور ہی تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس قومی بیداری کے ساتھ ان کا رشتہ محض کتابی ہی رہا۔ اگر شرت چندر اس بیداری کی لہروں کے ساتھ بنگال میں رہ کر خود بھی حالات کے تھپیڑے کھاتے تو ممکن تھا وہ بھی جذباتی اور رومانیت پسند کی بجائے حقیقت پسند ناول نگار ہوتے۔ انھوں نے زیادہ سے زیادہ یہی کیا کہ بنگال کے نچلے اور متوسط طبقے کی ذہنیت، عقلیت، رسوم و رواج اور نظریات و معتقد کو ہی پیش کیا اور ان سب کا مطالعہ یقینی طور پر اس عہد کے متوسط طبقے کے ذہن کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ شرت چندر کے فن میں ایسی بات کم ملتی ہے جس سے اس عہد کے عام آدمی اور اس کے مسائل و مصائب کو سمجھنے میں مدد مل سکے۔ ٹیگور کا فن بھی اسی رومانیت اور عینیت پسندی کا شکار ہے، لیکن چوں کہ ٹیگور کے عہد کے بنگال میں جدید بنگال کی تعمیر سناتن دھرم، اثباتیت اور افادیت پسندی (Utilitarianism) کو لے کر بحثیں ہو رہی تھیں۔ برہمو سماج اور ہندو دھرم کے ماننے والوں کے درمیان مناظرے ہو رہے تھے، مذہبی انداز فکر اور سائنسی انداز فکر میں تصادم ہو رہا تھا لہٰذا ان تمام باتوں سے ٹیگور کا فن بھی متاثر ہو رہا تھا۔ چناں چہ رومانیت اور عینیت پسندی سے قطع نظر ان کے ناولوں میں اگر عقلیت پسندی اور دانش وری کی لہریں بھی ملتی ہیں تو اس کی بنیادی وجہ یہی حالات ہیں۔

(باقی آئندہ)

●◆●

بقیہ: امارو

صفحہ ۳ سے آگے

کہیں میری بچھیا کو تو نہیں دیکھا
اور پھر تم دونوں مل کر اسے ڈھونڈتے رہے
ہاں!
بڑی دیر تک؟
ہاں، کافی دیر تک
اوہ! اسی لیے اُسے چلنا دوبھر ہو رہا ہے!

(۵)

مجھے کہیں گری نہ لگ جائے اس کا ڈر ہے
میرا گھر دریا کے کنارے پر ہے اور وہاں تازگی چھائی رہتی ہے
اگر میں تمھارے گھر تک گئی تو لوگ مجھے دیکھ لیں گے
میرا گھر تو جنگل میں ہے، صرف پھول ہی تمھیں آتے جاتے دیکھیں گے
پھول مدھ مکھی سے کہہ دیں گے، مدھ مکھی چیتا سے کہہ دے گی
اور چیتا تو سبھی سے کہہ دیا کرتی ہے
جب تم وہاں سے گزرو گی تو پھول تو بڑی دیر تک کو تمھارے متوالے ہو کر جھومتے رہیں گے
جب میں لوٹوں گی تو میری ماں میرے بکھرے بال دیکھ لے گی
میرے آئینے میں تم اپنے بال پھر سے سنوار لینا اور اس آئینے میں تمھاری مسکراہٹ کا عکس ہمیشہ کے لیے رہ جائے گا
مجھے تو تم سے پیار ہے، مجھے تو یہ بھول ہی چکا ہے کہ مسکرانا کسے کہتے ہیں!

(۶)

آج تو تم جو چاہو مجھ سے مانگ لو۔
میرے پتی بہت دور گئے ہوئے ہیں
افسوس، افسوس! لیکن مجھے تو صرف اچھوتی چنبیلی ہی کی خوشبو بھاتی ہے
یہ محبت سے بھیگی ہوئی آنکھیں، جو کسی مست متوالی فاختہ کے بازوؤں کی طرح آدھی کھلتی اور پھر بند ہوتی جاتی ہیں، جو دل کی ہر بات کو پورے طور سے ظاہر کر دیتی ہیں۔ وہ کون سا خوش قسمت ہے جس پر یہ آنکھیں مرکوز ہوں گی
یہ آنکھیں اُسی پر مرکوز ہوں گی جو مجھ سے میری پریتم کی باتیں کرے گا!

(باقی آئندہ)

●◆●

پروفیسر سیّد ثاقب حسن رضوی کی ادبی خدمات

اپنے مشفق والد کی یاد میں

ڈاکٹر سیمیں رضوی (اسسٹنٹ پروفیسر ذاکر حسین کالج، دہلی یونی ورسٹی، دہلی)

اکثر دیکھا گیا ہے کہ ادبی دنیا کی متعدد شخصیات ایسی ہیں جنھوں نے عمر بھر ادب کی بے لوث خدمت انجام دی مگر انھیں اس کا وہ صلہ نہیں ملا جس کے وہ مستحق تھے۔ انھی میں سے ایک نام پروفیسر سید ثاقب حسن رضوی کا ہے۔ یہ مختصر مضمون ان کی ایسی ہی خدمات پر روشنی ڈالتا ہے جو اب تک اہل ادب کی نظروں سے پوشیدہ تھیں۔ اس مضمون کا مقصد ان کی خدمات کو اجاگر کرنا اور اردو دنیا سے روشناس کرانا ہے۔

پروفیسر سید ثاقب حسن رضوی کی پیدائش ۱۵ر فروری ۱۹۳۲ کو امروہہ یو۔پی کے ایک معزز گھرانے میں ہوئی۔ بچپن سے ہی نہایت ذہین اور ہونہار تھے۔ ابتدائی تعلیم اجمیر سے حاصل کی۔ بی۔ اے فارسی مضمون کے ساتھ آگرہ یونیورسٹی سے پاس کیا۔ بعد میں آگرہ یونیورسٹی سے ہی اردو میں ایم۔اے کیا اور ۱۹۷۱ میں اودے پور یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

ملازمت کا آغاز راجستھان کے سرکاری اسکول اور کالج سے کیا۔ ۱۹۶۳ میں اودے پور یونیورسٹی میں اردو کے اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ ۱۹۷۳ میں ایسوی ایٹ پروفیسر منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۳ سے یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر کی ذمہ داری سنبھالی اور ۱۹۹۱ میں کالج کے ڈین کی حیثیت سے کام کیا۔ ان کی پیہم کوششوں کے نتیجے میں ۱۹۷۲ء میں راجستھان میں پہلی بار اودے پور یونیورسٹی میں ایم۔اے کی سطح پر اردو میں تعلیم کا آغاز ہوا اور ۱۹۸۷ میں ایم فل کا سلسلہ شروع ہوا۔ اردو میں پی ایچ ڈی کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی کے پروفیسر کی نگرانی میں پہلے رجسٹریشن کا فخر بھی اودے پور یونیورسٹی ہی کو حاصل ہوا۔ راجستھان میں اردو کے پہلے ایسوی ایٹ پروفیسر کی تقرری بھی اسی یونیورسٹی میں عمل میں آئی۔

راجستھان کی کسی بھی یونیورسٹی میں وہ اردو کے پہلے پروفیسر تھے۔ ایک پروفیسر اور صدر شعبہ کی حیثیت سے انھوں نے اپنی ذمہ داری بخوبی نبھائی اور اردو زبان وادب کے فروغ کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ اس ذمہ داری کے ساتھ ہی انھیں مسلسل دوبار راجستھان اردو اکادمی کا چیئرمین منتخب کیا گیا۔ وہ واحد شخص تھے جنھیں یہ امتیاز حاصل ہوا۔

علاوہ ازیں ان کے متعدد مضامین مختلف کتابوں اور رسائل میں شائع ہوتے رہے، جن میں 'دیوان بیان'، مطبوعہ مجلس اشاعت ادب دہلی، 'مولانا آزاد بہ جہت نظریات کے آئینہ میں'، مطبوعہ راجستھان اردو اکادمی جے پور وغیرہ قابل تحسین ہیں۔ اس کے علاوہ وہ راجستھان اردو اکادمی کے سہ ماہی جریدے 'نخلستان' کے مدیر کی حیثیت سے مسلسل اردو کی فلاح وبہبود کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔

۱۹۹۰ میں SIERT کے ایما پر راجستھان اردو ٹیکسٹ بک منڈل جے پور نے اردو نصاب کی تین کتابیں تیار کرا کر شائع کیں۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے مختلف معیاری جرائد میں مقدمات، تقریظات اور سوانحی خاکے تحریر کیے ہیں جن میں 'پہلی آواز' ۱۹۸۷، 'تجلیات' ۱۹۸۷، 'موجودہ اور نمائندہ' ۱۹۸۷، 'سخن زار سخن' ۱۹۸۷، 'انتخاب کلام قابل اجمیری' ۱۹۸۹، 'مٹی کی خوشبو' ۱۹۸۹، 'اعجاز سخن' ۱۹۹۱، 'تذکرہ شعرائے جودھپور' ۱۹۹۱، 'راجستھان میں اردو طنز ومزاح' ۱۹۹۱ شامل ہیں۔

پروفیسر سید ثاقب حسن رضوی کے سوانحی کوائف عالمی شہرت یافتہ کتاب 'Who's Who' میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں مختلف اعزازات اور انعامات سے نوازا گیا جس میں 'چیئرمین ایوارڈ' راجستھان اردو اکادمی، جے پور نے ۱۹۹۳ میں انھیں اردو زبان کی خدمات کے لیے دیا۔ 'امتیاز میر ایوارڈ' آل انڈیا میر اکادمی، لکھنؤ نے ۱۹۹۳ میں دیا۔ اس کے علاوہ ۱۹۹۱ میں 'تائمز کلب اودے پور' نے ان کو اعزاز سے نوازا۔

بحیثیت صدر شعبہ اور چیئرمین، راجستھان اردو اکادمی، انھوں نے متعدد ایسے اہم سیمیناروں، کانفرنسوں اور مشاعروں کا انعقاد کیا جن کی یاد آج بھی لوگوں کے دلوں میں تازہ ہے۔

اس کے علاوہ انجمن ترقی اردو (ہند)، برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال، راجستھان یونیورسٹی جے پور، لٹریری سوسائٹی جے پور اور کل ہند اردو اساتذہ جامعات کی ایسوسی ایشن سے بھی وہ وابستہ رہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ڈی ایس اے پروگرام میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے نامزد نمائندے کی حیثیت سے شامل رہے۔ راجستھان کے مختلف تعلیمی اداروں، کونسلوں اور یونیورسٹیوں کے ممبر بھی رہے۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ہی وہ ایک جاذب نظر شخصیت کے مالک تھے۔ نہایت نرم دل اور سادہ مزاج انسان تھے۔ ضرورت مندوں کی مدد کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ ان کی شخصیت میں ایک ایسا جادو تھا کہ ہر آدمی ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ ایسی سحر زدہ شخصیت کینسر جیسے موذی مرض سے لڑتے ہوئے ۲۸ر ستمبر ۲۰۱۲ کو ایمس ہاسپٹل کے ICU میں ابدی نیند سو گئی لیکن وہ آج بھی ہمارے دلوں میں زندہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے جانے سے اردو ادب میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا جسے پُر کرنا ناممکن ہے۔ اور خاص طور سے میرے لیے تو ان کی یادیں ہی میرے جینے کا سہارا ہیں کیوں کہ یادیں ایک ایسا انمول خزانہ ہیں جسے کوئی چُرا نہیں سکتا۔

یہ سانحہ مرے دل پہ گزر گیا کیسا
کہ ایک سایہ مرے سر سے اتر گیا کیسا
جھلستی لو سی یہ بادِ نسیم لگتی ہے
ہر ایک شے مجھے جیسے یتیم لگتی ہے

•••

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ہی پروفیسر سیّد ثاقب حسن رضوی ایک جاذبِ نظر شخصیت کے مالک تھے۔ نہایت نرم دل اور سادہ مزاج انسان تھے۔ ضرورت مندوں کی مدد کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ ان کی شخصیت میں ایک ایسا جادو تھا کہ ہر آدمی ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ ایسی سحر زدہ شخصیت کینسر جیسے موذی مرض سے لڑتے ہوئے ۲۸ر ستمبر ۲۰۱۲ کو ایمس ہاسپٹل کے ICU میں ابدی نیند سو گئی لیکن وہ آج بھی ہمارے دلوں میں زندہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے جانے سے اردو ادب میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا جسے پُر کرنا ناممکن ہے۔

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: ثمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی -۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ) دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر)

Phones: 23237210, 23236299, Fax: 011-23236299
E-mail: hamarizaban@atuh.org
http://www.atuh.org